© rasailojaraid.com

علامہ موسیٰ جار اللہ (۱)

"الموافقات" (۲) کی اشاعت (۳) کے متعلق چند باتیں

ترجمہ: عبدالحمید برالبشق (۴)
حواشی: ڈاکٹر محمد خالد مسعود

یہ علامہ موسیٰ جار اللہ (م ۱۹۴۹ء) کی ایک نادر تحریر ہے جو انھوں نے الموافقات کے مقدمے کے طور پر شائع کی تھی (دیکھیے حاشیہ نمبر ۳)۔ یہ تحریر مدت سے نایاب تھی۔ اب ۱۹۹۰ء میں امام شاطبی کی الموافقات کے ترکی ترجمے کے ساتھ دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ ہم جناب عبدالحمید برالبشق کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کا ترکی سے اردو میں ترجمہ کر کے اردو قارئین کو الموافقات کی اہمیت اور علامہ موسیٰ جار اللہ کے افکار سے روشناس کرایا۔

علامہ موسیٰ جار اللہ جن کے مختصر سوانح حاشیہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیے، بیسویں صدی کی ایک نہایت ہی دردمند اور فعال شخصیت تھے۔ بہت سی باتوں میں ان کی جمال الدین افغانی سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ عالم اسلام کی سیاحت نے ان کے زاویہ نظر کو مزید وسعت دی تھی۔ افغانی کی طرح اصلاح و تجدید اور علوم اسلامی کی عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کے لئے ساری عمر کوشاں رہے۔ اپنے زمانے کے فکری جمود کو توڑنے کے لئے انھوں نے تحریر اور استدلال میں ایک خاص اسلوب اختیار کیا جو قاری کو جھنجھوڑ کر اسے نئے مسائل پر غور کے لئے مجبور کرتا تھا۔ زیر نظر تحریر اسی اسلوب کا نمونہ ہے۔

روس کے مسلمانوں کی فکری اصلاح اور دور جدید میں ان کے نئے کردار سے آگاہی کے لئے انھوں نے تصانیف کا ایک سلسلہ شروع کیا جو ترکی زبان میں لکھی گئیں اور عصری مسائل پر جدید نقطہ نظر کے لئے دعوت فکر دیتی تھیں۔

آپ کی تصانیف کی فہرست (حاشیہ نمبر ۱) پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نئے دور کے تقریباً تمام اہم سیاسی، معاشی، قانونی اور سماجی مسائل کا آپ نے اسلامی نقطہ نظر سے حل پیش کیا۔ آج پاکستان میں تقریباً وہی مسائل زیر بحث ہیں۔ اگر علامہ کی تصانیف اردو میں ترجمہ ہو جائیں تو جدید مسائل پر تحقیق کرنے والوں کی رہنمائی کیلئے بہت مفید ثابت ہوں گی۔

(محمد خالد مسعود)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شخص بھی علوم اسلامیہ کی تاریخ کا بنظر عمیق غیر جانبدارانہ مطالعہ کرتا ہے تو وہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اہل اجتہاد کے اجتہادات کتنے ہی لائق تحسین ہوں لیکن شریعت کے بنیادی علوم پر ارباب تالیف کی تصنیفات پوری طرح تسلی بخش نہیں ہیں۔

اس سلسلے میں، میں یہاں عربی زبان کے ادبی و بلاغی پہلو کا جائزہ لوں گا نہ قرآن حکیم کی ادائیگی (تجوید و تلاوت) کے متعلق علوم کا، بلکہ میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ جیسے اسلامی شرعی علوم کے متعلق اپنے خیالات کا مختصراً اظہار کروں گا۔

عالم اسلام میں مفسرین نے بے شمار تفسیری سرمایہ چھوڑا ہے مگر ان کی کوششیں عربی زبان دانی یا تفسیری روایات کے "طرق" تک ہی محدود رہیں، جبکہ ایسی کوئی تفسیر موجود نہیں جو عالم بشریت کی تمدنی زندگی کا رہنما ہونے کی حیثیت سے منزل من اللہ قرآن کریم کے علمی اسلوب پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات کے معاشرتی پہلوؤں پر بھی زور دے۔ میرے اس دعوی کا ثبوت طبری (۵)، کشاف (۶)، بیضاوی (۷) اور رازی (۸) جیسی تفاسیر کے مندرجات ہیں جو عالم اسلام کی سب سے معتبر تفاسیر ہیں۔

یہ باتیں میں ان مفسرین کی تنقیص کے لئے نہیں کہہ رہا، میں تو ہمیشہ "مافرطنا فی الکتاب من شیئی" (۹) جیسی صفات سے متصف قرآن حکیم کی غیر محدود وسعتوں کا داعی رہا ہوں۔ عالم طبیعیات سے متعلق بہت سی آیات جن کا مفہوم ابھی تک حل نہیں ہوا، میرے اس دعوی کا ثبوت ہیں۔ ان آیات کے ذکر سے قطع نظر متعدد آیات اور بھی ہیں جن کے فقہی احکام کی تفسیر کماحقہ نہیں کی گئی۔

آیات کے واضح عربی زبان میں اور اس کے ساتھ ساتھ آسان ہونے کے باوجود، ان کی تفسیر میں جس قدر اختلاف موجود ہے کیا وہ میرے اس دعوی کو ثابت نہیں کرتا؟

سود جیسے اقتصادی مسائل، شوری اور انتظام سلطنت جیسے سیاسی معاملات، تحریم خمر کی طرح انسانی زندگی کے نفع و نقصان سے تعلق رکھنے والے مسائل اور نکاح و طلاق جیسے عائلی مسائل سے متعلق آیات کی تفسیر میں مفسرین کی کوتاہیوں کی بہتات کیا میرے دعوی کا قوی ثبوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دلیل نہیں ہے ؟

عقائد سے متعلق قابل احتمال آیات پر متکلمین کی بے باکانہ طبع آزمائی' ایک آیت سے زیادہ تر دو متضاد دلائل لے کر آنا' "کیا معدوم شئے کا وجود ہے ؟" جیسے غیر اہم مسائل پر بے شمار دلائل دینا لیکن "غایت وجود" جیسے اہم مسائل سے تعلق رکھنے والی آیات پر باوقار سکوت' کیا میرے دعوی کی تائید نہیں کرتا ؟

یہ سب باتیں کسی کی ملامت کے لئے نہیں بلکہ حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آخر ہماری تفاسیر اس طرح کیوں ہوتی ہیں ؟

تفسیر کے بعد عالم اسلام میں سب سے اہم علم' علم حدیث ہے کیونکہ حدیث ایک طرف تو ہمارے لئے قرآن حکیم کی تعلیمات کو واضح کرتی ہے اور دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان افعال' اقوال اور احکام کو ہم تک پہنچاتی ہے جو انسانی زندگی کی فلاح کے ضامن ہیں۔ علمائے اسلام نے اس اہم ترین علم کی جس طرح خدمت کی ہے' آیئے حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے اس کا ایک غیر جانبدارانہ جائزہ لیتے ہیں۔

بے شک علمائے اسلام نے احادیث کی اسناد کے بارے میں گرانقدر اور اہم خدمات سرانجام دی ہیں یعنی انہوں نے روایات کی کیفیت' راویوں کے تقوی اور عدالت جیسی خصوصیات کو زیادہ اہمیت دی ۔ ظاہر ہے کہ محدثین نے جمع احادیث میں کوتاہی نہیں کی ۔ صحیح اور ضعیف یا موضوع حدیث کی تمیز میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔ اس پہلو سے اگر کوئی شخص علمائے حدیث کی خدمات کا جائزہ لے تو وہ اسے تسلی بخش پائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص انسانی زندگی میں حدیث کی اہمیت اور عملی میدان میں اس کے اثرات پر نظر دوڑاتا ہے اور اسے اس میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے تو ہم اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جو شخص کتب حدیث کا مکمل طور پر مطالعہ کرتا ہے' اور ابواب اور احادیث سے مستنبط استدلال کا موازنہ کرتا ہے تو اسے بہت اہم معلومات کے ساتھ ساتھ جو تعداد میں بہت کم ہیں' بے شمار غیر اہم اور معمولی چیزیں نظر آتی ہیں ۔ معاشرتی زندگی کے مسائل کے اصل الاصول یا علمی سوچ بچار کے ارتقاء کے لئے رہنما حیثیت کے حامل اہم مسائل' کتب حدیث کے ابواب میں مفقود ہیں ۔ البتہ ان احادیث میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ابتداء وحی کی کیفیت" جیسے مسائل اور اخلاقی فضائل سے متعلق مباحث اس مذکورہ بالاعموم سے مستثنیٰ ہیں۔

مزید برآں کتب احادیث کے مولفین نے بہت مبالغہ سے بھی کام لیا ہے۔ ان لوگوں کے پیش نظر احادیث سے زیادہ سے زیادہ مسائل کے استنباط کا رجحان تھا چنانچہ اس غرض کے لئے انہوں نے نبی اکرمؐ کے فرمودات سے بہت سی غیر اہم اور معمولی چیزوں کا بھی استنباط کیا۔ احادیث سے اہم اور ضروری مسائل اخذ کرنے کے ساتھ اس کام کی ثانوی حیثیت ہوتی تو زیادہ سودمند ہوتا لیکن متاخرین نے احادیث کے اہم اور ضروری پہلوؤں پر تو سکوت کیا ہے لیکن غیر اہم مسائل پر بہت توجہ دی اور ان کے بارے میں بہت جدوجہد کی ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ کسی کی غلطی تلاش کرنے کی بجائے اس غلطی کے اسباب کا کھوج لگانا ضروری ہے' لہٰذا غور طلب پہلو یہ ہے کہ ہماری کتب حدیث کیوں اس طرح ہیں؟

تفسیر اور حدیث کے بعد تیسرا درجہ علم فقہ کا ہے۔ چونکہ یہ علم' قرآنی آیات اور احادیث رسول سے استدلال کرتا ہے' اس لئے اس کا درجہ ان دونوں کے بعد ہے مگر انسانی زندگی میں اہمیت کے اعتبار سے متقدم ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کے دعوی اور ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کریم قیامت تک تمام انسانیت کے لئے مقدس کتاب ہے۔ یہ دعوی بلاشک و شبہ صرف علم فقہ کی تکمیل اور اس کی انسانی زندگی سے مطابقت ثابت کرنے سے حاصل ہو گا۔

جب تک اسلام کے اصول دنیا کے تمام اصولوں سے اعلی ثابت نہیں ہوتے اور فقہ اسلامی انسانی زندگی کے لئے عادل اور مکمل حقوق دینے والا نظام نہیں مہیا کرتی تو ہمارا یہ عقیدہ اور ایمان بے بنیاد اور ہمارا دعوی زبانی' کلامی رہے گا۔

رسالت کا ثبوت معجزہ فراہم کرتا ہے۔ لیکن یہ اعجاز صرف قرآن کے ربط و نظم سے ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ حقیقی اعجاز قرآن کے مطالب میں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے اعلی ترین اصول اور شرعی فقہی علوم' انسانی زندگی کے لئے مناسب ترین اور مکمل ترین قانون ہونا چاہیئیں ورنہ قرآن حکیم میں معنوی لحاظ سے بھی اعجاز ثابت نہیں ہو سکتا۔

کیا ہماری کتابوں میں مدون فقہی علوم' قرآن حکیم کی اس معجزانہ حیثیت کا ثبوت فراہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں ؟ کیا ان میں پوری انسانیت کے لئے قیامت تک مناسب ترین اور منصفانہ قانون کی وسعت پذیری اور لچک موجود ہے؟

کیا انسانی زندگی کے روزمرہ مسائل اور ہر صدی میں پیش آمدہ مسائل کا حل اور جواب ہماری مسلکی کتابوں میں موجود ہے؟ ۔ اسلام سے بے حد محبت اور عقیدت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ ان سوالات کا جواب " نہیں قطعاً نہیں" کہہ کر دوں ۔ اس جواب کا محرک علوم فقہ پر تنقید اور اسے ہدف ملامت ٹھہرانا نہیں، بلکہ اسلام سے محبت ہے۔

علوم فقہ میں "عبادات" پر ایک حد تک مکمل اور مفصل کام کیا گیا، مگر معاملات میں معاشرتی و انفرادی حقوق اور اس کے ساتھ ساتھ انتظامی امور سے متعلق خصوصیات اور احکام پر مدون شدہ فقہی علوم میں ابھی اتنا کام نہیں ہوا ہے، یہی نہیں بلکہ کتب فقہ کے بعض ابواب میں جو کچھ ہے اسے عملی جامہ پہنانا بھی ناممکن ہے اور اسلام کے نظریہ عدل سے بھی متصادم ہے۔

میرا عقیدہ ہے --- اور یہی سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے --- کہ اسلامی فقہ انسانی زندگی کے لئے مناسب ترین قانون اور اس کے ساتھ ساتھ خالص عدل پر مبنی نظریہ پر تشکیل دیا گیا مکمل ترین نظام ہونا چاہئے تھا۔

لیکن ہمارے علوم فقہ اس طرح کیوں ہیں؟

تفسیر، حدیث اور فقہ جو کہ آپس میں اصل اور فرع کی حیثیت رکھتے ہیں، عملی طور پر ان کے غیر تسلی بخش ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اس میں شک نہیں کہ نعوذ باللہ یہ خامی قرآن کریم اور سنت نبوی ؐ جیسے شرعی مصادر میں نہیں ہے بلکہ یہ ان سے بالکل الگ چیز میں ہے۔ حقیقت میں ہر مومن کا ایمان ہے کہ قرآن حکیم اور سنت نبوی ؐ شریعت کی اساس ہیں۔

پھر آخر یہ خامی کہاں سے آئی ؟ میرے نزدیک یہ خامی قرآن حکیم اور سنت نبوی ؐ سے اخذ کردہ شریعت کے بارے میں ہمارے نقطہ نظر میں ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس خرابی کی بنیاد "اصول فقہ" کے بارے میں ہمارا طریق فکر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب بنیادی فقہی اصولوں پر بحث کی جاتی ہے تو شرعی ادلہ کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جاتا ہے ۔ ایک حصے میں منزل من اللہ احکام اور دوسرے حصے میں لوگوں کا ان کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا دیکھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصول فقہ دو قسموں یعنی قسم ادلہ اور قسم احکام پر مشتمل ہیں۔ پہلی قسم میں اکثر مؤلفین عموماً اربعہ، یعنی کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس پر بحث کرتے ہیں ۔ کتاب اللہ کی بحث میں بنیادی امور عربی لغت اور اس کے متعلقہ موضوعات یعنی کلمہ کی وضع، دلالت، استعمال اور فہم مدنظر ہوتے ہیں۔ اس بناء پر کتاب اللہ سے متعلق بحث میں موضوعات صرف "دلالۃ الایہ" اور فہم معانی ہوتے ہیں۔ جبکہ مؤلفین کتب حدیث کے نزدیک سنت کی بحث میں عموما عربی عبارت اور الفاظ کو اتنی بھی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ کتاب اللہ میں اس پر کی گئی بحث کی وجہ سے یہاں اس کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ یہاں بنیادی بحث سنت اور روایت کی سند پر کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی تعارض الحدیث پر بھی بحث ہو جاتی ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس سے سنت کی دلالت میں لچک اور وسعت نہیں آتی۔

اس کے بعد اجماع پر بحث ہوتی ہے۔ اس حصے میں اجماع کے معنی اور اس کی حجیت اور اس کے درجات پر بحث کی جاتی ہے۔ اجماع کسی مسئلہ کے حل اور ثبوت کے لئے خود حجت نہیں ہے بلکہ ایک حکم اور مسئلہ کے بارے میں اختلافات کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اس کے باوجود علمائے اصول، اجماع کو ایک دلیل (ماخذ) بلکہ سب سے اہم دلیل کی حیثیت دیتے ہیں۔ قانون وضع کرنے میں اجماع ایک بنیادی کردار ادا کر سکتا ہے مگر اہل اصول اسے چنداں اہمیت نہیں دیتے (۱۰) ۔ اہل اصول کی اس کوتاہی کے سبب انسانی زندگی کی ترقی سے مناسبت رکھنے والا اسلام لچک اور وسعت حاصل کرنے سے کوسوں دور رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اصول فقہ جیسے ایک ہزار سال پہلے تھے اب بھی ویسے کے ویسے ہی ہیں ۔

کتب فقہ میں اجماع کے بعد قیاس کا درجہ ہے۔ قیاس کی بحث میں، کسی مسئلہ کو کتاب اللہ، سنت یا اجماع سے ثابت شدہ احکام اور دوسرے مسائل کے ساتھ پرکھنے کی شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے، تاہم فقہی مسالک کے اختلافات اور قیاس کی شرائط و حجیت کے بارے میں مکمل اتفاق رائے موجود ہیں۔ اگر شارع نے کسی حکم کی علت بیان نہ کی ہو تو اس حکم سے دوسرے مسئلہ کے لئے مشترکہ علت (العلۃ المتعدیۃ) (۱۱) تلاش کرنا بے حد مشکل ہے۔ علاوہ ازیں علت پائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے کی شکل میں علیت وصف کی دلیل پیش کرنا بھی اسی طرح مشکل ہے اور اگر علیت کے احتمال ایک سے زیادہ ہوں تو اس وقت قیاس سے ہمیں سوائے اختلاف کے کچھ نہیں ملتا۔ نتیجتاً قیاس کی حجیت سے بھی اسلام لچک اور وسعت حاصل نہیں کر سکا۔ بہرحال اصول فقہ کا موضوع ادلہ شرعیہ میں صرف عربی زبان کی خصوصیت اور روایات کی اہمیت اور فوقیت ہی ہے۔ میرا گمان ہے کہ اہل اجتہاد کے اجتہادات بھی اکثر ان دو پہلوؤں تک ہی محدود ہیں۔ ایسے اصولوں پر قائم کئے گئے تفسیر' حدیث اور فقہ جیسے اہم شرعی علوم میں مذکورہ خامیوں اور کوتاہیوں کی بنیادی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ مفسرین' تفسیر قرآن میں اپنا اپنا اسلوب اپناتے ہیں اور تشریح و استدلال کتب اصول سے اخذ کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے معانی کو عربی لغت اور روایت کے دو جہتی ڈھانچے تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ اگرچہ فکر و عقل اور تدبر سے مزید معانی لئے جا سکتے ہیں لیکن وہ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ چنانچہ کچھ آیات جو کہ شرعی احکام پر دلالت کرتی ہیں اور ان سے انسانی زندگی کے اصول و قواعد اخذ کئے جا سکتے ہیں' ان کی تشریح میں مفسرین صرف عموم' خصوص' عبارہ' اشارہ' محکم' مجمل جیسے عبارتی نظم کے طرق استدلال کو اہمیت دیتے ہیں۔ انسانی زندگی میں ان احکام کی اہمیت اور اثرات کو مدنظر رکھا نہیں جاتا۔ شریعت اسلام کے جمود اور ترقی نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔

مفسرین کی طرح محدثین نے بھی اپنے استدلال اور استنباط کی بنیاد کتب اصول میں مروی اصولوں پر ہی رکھی ہے۔ احادیث میں عربی لغت کی بجائے روایت کے پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور انسانی زندگی کے لئے قانون اور اہم ترین شرعی احکام کے لئے' جو کہ عبودیت بشری کا سب سے اہم مسئلہ بھی ہے' احادیث کی مختلف روایات سے دلیل لاتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف تو یہ غلطی کی جاتی ہے کہ جو دلیل نہیں ہے' اسے دلیل بناتے ہیں اور دوسری طرف اس کے ذریعے قانون جیسی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ الفاظ کے اختلاف کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور چھوٹے مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ کے لئے بہت سی احادیث اور روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ زیادہ اہم مسائل کے لئے حدیث موجود بھی ہو تو اس کا ذکر نہیں کرتے۔ اس روش کی وجہ شرعی ادلہ کو پرکھنے کا طریق کار ہے۔ انسانی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

محدثین نے احادیث اور مفسرین نے آیات کی تشریح میں اپنے افکار کو ہمیشہ کتب اصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مذکور اصولوں کے مطابق رکھا ہے مگر قرآن نیز سنت کے اصل مقاصد اور انسانی زندگی کے لئے قانون کی حامل چیزوں کو اہمیت نہیں دیتے' کیونکہ ان کے اخذ کردہ اصولوں کی حدود اتنی وسیع نہیں ہیں۔

نظم کی دلالت اور روایت کی موجودگی خواہ کیسی ہی ہو علوم فقہ میں فقہاء اسے ہی زیادہ سے زیادہ مدنظر رکھتے ہیں اور ان پر شرعی علوم کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اگر تلاش بسیار کے بعد روایت ملتی ہے یا کتب اصول میں بیان کئے گئے کسی اصول سے تاویل کرنا ممکن ہو تو گویا اس وقت نص کی دلالت مسئلہ کے اثبات پر ہوتی ہے مگر احکام کی دوسری تفصیلات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ زندگی کے اکثر مسائل کے عملی پہلو کو بے حد اندھیرے میں رکھا جاتا ہے۔ ضروریات زندگی کے انتظامات اور تمدنی زندگی کی حاجات کو عموماً ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دی جاتی۔

ربا اور سود جیسے مسائل جو ابھی تک حل طلب ہیں' حلالہ اور متعہ جیسے مسائل [جن کے رواجی پہلو] اسلام کے چہرہ پر شرمناک دھبے ہیں اور شرعی حیلے جیسے مسائل جو اسلام اور اس کے ساتھ ساتھ قانون کا مذاق اڑانے والی چیزیں ہیں۔ کیا یہ میرے دعوے کی تائید نہیں کرتیں؟

کتب فقہ میں بڑی کاوش سے فرضی مسائل تشکیل دیئے جاتے ہیں لیکن معاشرتی نقطہ نظر سے اہم ترین مسائل پر چپ سادھ لی جاتی ہے یا بیان کرتے وقت ان کا حل نہیں پیش کیا جاتا۔ آپ کے خیال میں کیا یہ سب چیزیں میری باتوں کی شاہد نہیں ہیں؟

تہذیب و تمدن کے داعی اسلامی ممالک میں سے کسی میں بھی انتظامی امور کا شریعت اسلامیہ کے مطابق بندوبست کیوں نہیں ہو سکتا؟

پوری زندگی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے' پانچ پانچ دس دس جلدوں پر مشتمل کتب فتاوی کے حافظ فقہاء' ملک و ملت کے انتظام کے لئے ضروری قوانین' اور اصطلاحات تیار کرنے کی استطاعت سے کیوں محروم ہیں؟

اسلامی ممالک' شریعت اسلامیہ کو پس پشت ڈالنے اور یورپی قوانین کو گلے سے لگانے کی ذلت کیسے برداشت کر رہے ہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا یہ اپنی زبان حال سے پکار پکار کر نہیں کہہ رہے " ان (یورپی) جیسے مناسب قوانین شریعت اسلامیہ میں نہیں ملتے" ۔ اگر واقعی یہ حقیقت ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے علوم فقہ نے ہمیں ان جیسے قوانین تیار کر کے نہیں دیئے اور نہ ہی اب دے رہے ہیں؟

میرے خیال میں ایسے تمام سوالات میں سے ہر ایک میرے دعوی کا ثبوت ہے' میں نیک نیتی' خلوص قلب اور پورے یقین سے اپنے دعوی کا دفاع کرتا ہوں۔ لیکن ----اللہ جانتا ہے ---- اسلامی علوم کی مذمت کے لئے نہیں بلکہ اس کے برعکس میں بے حد محبت اور پورے یقین سے اسلامی شریعت کی مدافعت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہمارا قرآن حکیم مقدس ہے اور ایک معجزہ ہے۔ یہ ایک آسمانی کتاب ہے۔ اس کا اعجاز صرف اس کے نظم میں ہی نہیں بلکہ یقینی طور پر اس کے معنی میں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر قرآنی اعجاز سے مطابقت رکھنے والی اعجازی شریعت اسلامیہ عالم تمدن میں ایک بے مثل اور مکمل قانون کی حیثیت کی حامل کیوں نہیں ؟ علوم فقہ کو عالم اسلام میں کیوں قبول عام نہیں ملتا ؟

میرے خیال میں علوم شرعیہ خصوصاً علوم فقہ کی خامیاں ادلہ شرعیہ اور احکام شرعیہ کو مخصوص نقطہ نظر پر پرکھنے کی وجہ سے یعنی اصول فقہ کے ایک خاص انداز کی وجہ سے ہیں کیونکہ عالم اسلام میں مروجہ اصول فقہ کی کتابوں کا اسلوب عموماً وہی ہوتا ہے جس کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی' کتاب اللہ اور سنت رسول کے سب سے اہم شرعی مقاصد کا اجمالاً اور تفصیلاً تذکرہ نہیں کیا۔ اسلامی شریعت اور انسانی زندگی کے درمیان رابطہ اور تعلق کا ذکر مفقود ہے اور ضروریات زندگی کا مفصل اور عمیق تو کیا' اجمالی طور پر بھی بیان نہیں ہے۔ چنانچہ اصول فقہ کا دائرہ کار بے حد تنگ رہا ہے اور آج بھی فقہی علوم جوں کے توں ہیں جیسے ہزار سال پہلے تھے۔ (۱۲)

اگر ہمارا ایمان ہے کہ علوم فقہ کی جامع اور وسیع ترین تدوین اسلام کی رفعت و عظمت کے مطابق ہونی چاہیے تو ہمیں سب سے پہلے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔

اولاً = مخلص اور آزاد فکر فقہاء جو کہ لازمی علوم اور معاصر فنی علوم سے بہرہ ور ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثانیا = اصول فقہ جو کہ :

-- کتاب اللہ اور سنت کے تشریعی مقاصد

-- انسانی زندگی کی لازمی اور دوسرے درجہ کی ضروریات

-- حقوق اسلام کے مصادر اور نص کی دلالت

-- شریعت اسلامیہ اور انسانی زندگی کے بارے میں ائمہ اربعہ اور ان جیسے مجتہدین کے نقطہ نظر کی کسی تفریق و تحدید کے بغیر مکمل طور پر تشریح اور تفصیل بیان کر سکے۔

اگر ہمیں یہ دو چیزیں یعنی مخلص اور آزاد فکر فقہاء اور مذکورہ بالا صفات کے حامل اصول فقہ مہیا ہو سکتے تو ہم اعجاز اسلام کے مطابق شریعت کے حامل ہوتے یعنی عالم تمدن میں ایک بے مثل مکمل ترین قانون کے مالک ہوتے اور اس وقت ہم اس عالم تمدن میں قرآن کا اعجاز ثابت کر سکتے اور اسلام پر ہمارا ایمان خوف اور ڈر والا نہ ہوتا بلکہ بصیرت پر مبنی ہوتا۔

شائد اہل تعصب انکار کریں مگر اہل انصاف انکار نہیں کر سکتے کہ آج تک عالم اسلام میں مروجہ توضیح (۱۳)، اصول پزدوی (۱۴) فصول البدائی (۱۵)، تحریر (۱۶)، جمع الجوامع (۱۷) محصول (۱۸)، منہاج الوصول (۱۹)، المنتہی (۲۰)، تنقیح (۲۱)، مسلم الثبوت (۲۲) جیسی اصول کی کتابوں کو مذکورہ بالا خیالات اور خواہش سے ہزارویں نسبت بھی نہیں ہے کیونکہ صرف لغوی بحث اور کلامی اختلافات پر مبنی کتب کو اصولی کتب نہیں گنا جا سکتا۔ حقیقی معنوں میں اسلامی سرمایہ کتب میں اگر اصول فقہ پر کوئی کتاب ہے تو وہ صرف "الموافقات" ہے۔

"الموافقات" قرآن اور سنت کے تشریعی مقاصد کو سب سے زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان کرتی ہے اور انسان کی بنیادی ضروریات اور دوسرے درجے کی ضروریات کو بڑی باریک بینی سے واضح کرتی ہے۔ شرعی دلائل اور انسانی تقاضوں سے ان کی ہم آہنگی کو مکمل طور پر بیان کرتی ہے۔ یہ کتاب ہر مسئلہ پر مکمل آزادی فکر سے مطالعہ کرنے والوں کو عقلی مسائل پر آزادانہ نقطہ نظر دیتی ہے۔

علوم فقہ، تفسیر اور حدیث اگر اعلی مرتبہ حاصل کر سکیں گے تو صرف اسی طریقہ سے حاصل کر سکیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی مقصد کے لئے عملی قدم اٹھانے اور ایک مبارک دروازہ کھولنے کے لئے قازان میں دارالصباح نے اس سال الموافقات کی اشاعت شروع کی ہے' اس کتاب کے ذریعے روس کے علماء اور طالب علموں کے سامنے حقیقی معنوں میں اصول فقہ کا ایک نمونہ پیش کیا جائے گا۔

الموافقات علماء اندلس میں سے الامام الحافظ ابراہیم بن موسی الشاطبی کی ایک بے مثل کتاب ہے جو آج سے پچیس سال پہلے ۱۳۰۲ھ میں تیونس میں ایک دفعہ چھپ چکی ہے۔ بڑے اہتمام سے چھاپنے کے باوجود اس میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اس دفعہ میں نے ان غلطیوں کی تصحیح کر کے چھاپنے کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ کے فضل و احسان سے امید کرتا ہوں کہ اس میں ایک نقطہ کی بھی غلطی باقی نہیں رہی۔

کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کی آسانی کے لئے میں نے جملوں کے آخر میں نقطے لگائے ہیں اور مناسب جگہوں پر پیراگراف بنا دیئے ہیں ۔ کہیں کہیں مسئلہ سے متعلق اہم علمی نکات حاشیے میں بیان کر دیئے ہیں ۔

اگر ہمیں دینی مدارس کے نصاب کی حقیقی طور پر اصلاح کرنے کی ضرورت کا احساس ہے تو طالب علموں میں ادراک کا ملکہ' سوچ کی قابلیت' استقلال اور اجتہاد کی روح پیدا کرنے کے لئے "منار (۲۳) اور توضیح ---" کے بجائے "الموافقات" جیسی کتاب کی ضرورت ہے جو حقیقی معنوں میں اصول فقہ بیان کرتی ہے اور طالب علموں کو آزادی فکر' ملکہ اجتہاد اور روح استقلال دیتی ہے۔ اس کے بغیر تحریک اصلاح مدارس کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

موسی جاراللہ

قازان ۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۰
حواشی

۱۔ علامہ موسیٰ جار اللہ (۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۵ء ۔ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) روس کے شہر روستوف میں ۶ جنوری ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد اخوند عبدالکریم جار اللہ علاقے کی معروف علمی شخصیت تھے۔ موسیٰ جار اللہ نے ابتدائی دینی تعلیم قازان کے مدرسہ گول بویو میں پائی۔ پھر ۱۸۹۵ء میں روستوف کے سرکاری مدرسے میں داخل ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم استانبول اور قاہرہ میں پائی۔ مصر میں جن شخصیات سے ملاقات ہوئی ان میں مفتی محمد عبدہ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ اسی عرصے میں حجاز اور برصغیر بھی گئے اور یہاں کی علمی شخصیات سے متعارف ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں واپس روس چلے گئے۔ ۱۹۰۸ء میں سینٹ پیٹرز برگ کی یونیورسٹی میں جدید قانون کا مطالعہ کیا۔

دوران تعلیم مسلمان ممالک کی سیاحت میں جہاں دوسری زبانیں سیکھنے کا موقع ملا وہاں عالم اسلام کے حالات سے بھی آگاہی ہوئی۔ اس سے ان کے افکار و خیالات میں بھی وسعت پیدا ہوئی جب آپ نے تدریس کا آغاز کیا تو آپ کی وسعت خیالی کی مخالفت ہوئی اور انھیں تدریسی ملازمت چھوڑنا پڑی ۔ آپ مسلمانوں کی بیداری اور سیاسی جدوجہد میں دلچسپی لینے لگے۔ ۱۹۱۴ء میں ایک کتاب "اصلاحات کی بنیادیں" لکھی اور "التلمیذ" کے نام سے اخبار جاری کیا۔

۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا تو علامہ اشتراکی رہنما لینن کے بہت قریب آگئے۔ علامہ پیٹرز برگ یعنی لینن گراڈ میں روسی مسلمانوں کے امام تھے۔ تاہم اشتراکیت پسند مسلمان علماء کا دوسرے اشتراکیوں سے اسلامی تشخص کے مسئلے پر ہمیشہ اختلاف رہا۔ علامہ نے مسلمانوں کی دینی و ثقافتی خود مختاری پر زور دیا۔ لیکن چونکہ اس فکر کے ڈانڈے بین الاسلامیت اور وحدت مسلمین سے ملتے تھے اس لئے اسے قبولیت نہ ملی۔ ۱۹۲۱ء میں علامہ کو تاشقند میں گرفتار کرلیا گیا۔ تقریباً ایک سال بعد رہا ہوئے تو آپ نے تصنیف و تالیف کا کام اور زوروں سے شروع کردیا۔ ۱۹۲۳ء میں انہوں نے "مبادیات اسلام" شائع کی تو پھر گرفتار ہوئے اور ماسکو جیل میں ڈال دیئے گئے۔ ان کی گرفتاری پر سارے عالم اسلام میں احتجاج شروع ہوگیا۔ چنانچہ تین ماہ کی قید کے بعد رہا کردیئے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں روسی مسلمانوں کے ایک وفد کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اپنے وطن سے محبت اتنی تھی کہ بار بار ملک سے باہر گئے لیکن ہمیشہ واپس روس پہنچ جاتے تھے حتیٰ کہ فریضہ حج کے لئے بھی گئے لیکن اپنے وطن روس کو نہیں چھوڑا۔ تاہم حالات بتدریج بگڑتے گئے اور بالآخر ۱۹۳۰ء میں ہمیشہ کے لئے انہیں وطن چھوڑنا پڑا۔

علامہ ترکستان کے راستے روس سے ہجرت کر کے افغانستان آئے اور یہاں سے برصغیر میں آئے۔ برصغیر کے علماء میں سے مولانا عبیداللہ سندھی سے آپ پہلے سے واقف تھے۔ ۱۹۲۳ء میں ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلے میں مولانا سندھی کابل اور وہاں سے ماسکو گئے تھے تو ان دنوں علامہ موسیٰ جار اللہ سے ماسکو میں ملاقات ہوئی تھی اور پھر پیٹرز برگ میں علامہ کے ہاں مہمان بھی رہے تھے۔ استانبول میں بھی دونوں حضرات کی ملاقاتیں رہی تھیں۔ مولانا سندھی ۱۹۲۶ء ۔ ۱۹۳۹ء کے دوران حرم شریف میں مقیم تھے تب بھی علامہ موسیٰ جار اللہ ان سے ملتے رہے تھے۔ علامہ شاہ ولی اللہ کے فکر سے اسی وقت متعارف ہوئے تھے اور مولانا سندھی سے شاہ ولی اللہ کی بہت سی کتابیں سبقاً پڑھی تھیں۔ اسی عرصے میں مولانا سندھی نے شاہ ولی اللہ کے طرز فکر پر تفسیر قرآن الہام الرحمن علامہ کو املا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرائی تھی۔

۱۹۳۱ء میں علامہ موسیٰ جار اللہ کی ملاقات علامہ اقبال سے بھی ہوئی تھی۔ علامہ اقبال مؤتمر اسلامی کے اجلاس میں شریک ہوئے تو علامہ موسیٰ جار اللہ بھی مندوب تھے۔

۱۹۳۵ء میں علامہ موسیٰ جار اللہ روس سے ہجرت کر کے برصغیر آئے تو ان دونوں حضرات سے دوبارہ ملاقاتیں ہوئیں۔ اسی دوران انہوں نے جاپان اور چین کا سفر بھی کیا۔ جاپان میں توشی ہیکو ازتسو نے ان سے عربی اور علوم دین پڑھے۔ ازتسو بعد میں میگل یونیورسٹی میں استاد ہوئے۔ علوم قرآن، فلسفہ اور تصوف پر ان کی بیش قیمت کتابیں ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو حکومت برطانیہ نے علامہ جار اللہ کی سرگرمیوں کو مشکوک قرار دے کر پشاور میں قید کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی قید کے بعد نواب بھوپال کی کوششوں سے رہا ہوئے اور بھوپال میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کچھ عرصہ بنارس میں بھی رہے۔ اس عرصے میں آپ کی صحت بالکل خراب ہو چکی تھی۔ ساری عمر سفر و سیاحت میں گزری تھی۔ جہاں جاتے کتابیں جمع کرتے اور جاتے ہوئے احباب کے پاس چھوڑ جاتے۔ اس طرح ان کا ذخیرہ کتب مختلف ملکوں میں بکھرا ہوا تھا۔ خصوصاً فن لینڈ، قاہرہ اور برلن میں خاصی تعداد میں کتابیں موجود تھیں ۔ ان کا ارادہ تھا کہ ان ساری کتب کو ایک جگہ جمع کر کے انقرہ میں ایک مثالی درس گاہ قائم کی جائے۔ ۱۹۴۷ء میں ترکی گئے۔ عصمت انونو اور فوزی پاشا نے ان کو خوش آمدید کہا اور ان کے منصوبے کی حمایت کا وعدہ کیا چنانچہ۔ کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ آئے ہوئے تھے کہ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو وفات پائی۔

تصانیف

مصطفیٰ رحمی بلبن نے علامہ موسیٰ جاراللہ کی ۴۶ اور عثمان کشکی اوغلو نے ۵۱ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ الهام الرحمن فی تفسیر القرآن (مطبوعہ): کراچی: بیت الحکمت (ت ن)،

۲۔ حروف اوائل السور (مطبوعہ): بھوپال: سنٹرل انڈیا پریس، ۱۹۴۴ء، لاہور: ۱۹۴۲ء

۳۔ فقه القرآن الکریم، پیٹرز برگ، ۱۹۲۰ ـ ۱۹۲۳ء

۴۔ تاریخ القرآن و المصاحف (مطبوعہ) سینٹ پیٹرز برگ، ۱۳۲۳ھ

۵۔ مقدمه الموطا، قازان، ۱۹۱۰

۶۔ مقدمه، الموافقات، قازان، ۱۹۰۹

۷۔ ناظمة الزهر، شرح شاطبیه، قازان، ۱۹۱۱

۸۔ طیبة النشر فی قرآآت العصر، قازان، ۱۹۱۱

۹۔ افادات الکرام فی شرح احادیث بلوغ المرام، قازان، ۱۹۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ صحیفہ الفرائض، بھوپال، ۱۹۴۴

۱۱۔ القانون المدنی للاسلام، بھوپال، ۱۹۴۶

۱۲۔ نظام الخلافۃ الراشدہ الاسلامیہ الیوم، بھوپال، ۱۹۴۶ء

۱۳۔ الصلوۃ والصیام فی طول اللیالی و الایام

۱۴۔ کتاب الزکوۃ (ترکی) پیٹرز برگ، ۱۹۱۶

۱۵۔ کتاب السنہ، بھوپال، ۱۹۴۵

۱۶۔ رسالہ فی تامین الحیاۃ والاملاک، بھوپال، ۱۹۴۴

۱۷۔ البنک فی الاسلام، قاہرہ، ۱۹۴۶

۱۸۔ ایام حیاۃ النبی الکریم، قاہرہ، ۱۹۳۵

۱۹۔ لم اعتبر الشرع فی رویۃ الاھلہ، قازان، ۱۹۱۰

۲۰۔ نظام التقویم فی الاسلام، قاہرہ، ۱۹۳۵

۲۱۔ نظام النسئی عند العرب قبل الاسلام، قاہرہ ۱۹۳۵

۲۲۔ بنیادی اصلاحات (ترکی)، پیٹرز برگ، ۱۹۱۴

۲۳۔ صرف القرآن الکریم، بھوپال، ۱۹۴۴

۲۴۔ الوشیعہ فی نقد عقائد الشیعہ، لاہور: سہیل اکیڈمی، ۱۹۷۹

۲۵۔ روسی مسلمانوں کو مشورہ (ترکی)، قازان، ۱۹۰۶

۲۶۔ اتفاق المسلمین (ترکی)، پیٹرز برگ، ۱۹۰۶

ماخذ

(۱) اختر راہی: "علامہ موسیٰ جار اللہ"، وسطی ایشیا کے مسلمان، جلد ۱ (۱۹۹۲ء)، ش ۳ ۔ ۴، صفحات ۵ ۔ ۱۶،

(۲) مصطفیٰ رحمی بلبین، "موسیٰ جار اللہ"، اسلام تتکلری انستی توسو درجسی، جلد اول (۱۹۵۳ء) جزء ۱ ۔ ۴ (۱۷۳ ۔ ۱۷۸)

(۳) عثمان کسکی اوغلو، "موسیٰ جار اللہ" الھیات فاکلتسی درجسی، جلد ۱۲ (۱۹۶۴ء)، صفحات ۶۳ ۔ ۷۳

۲۔ الموافقات: ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی الغرناطی (م ۷۸۰ھ/۱۳۹۰ء) کی تصنیف ہے۔ امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو اسحاق الشاطبی کا تعلق مالکی مسلک فقہ کے ایک مرکز غرناطہ (اسپین) سے تھا۔ وہی ان کا مولد و مدفن بھی ہے۔ آپ نے غرناطہ میں ہی اپنے زمانے کے جید علماء سے تعلیم پائی اور یہیں کے جامعہ میں تدریس اور افتا کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ابن خلدون (م ۷۸۴ھ) اور ابن الخطیب (م ۷۷۶ھ) آپ کے ہم عصر تھے۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو محمد خالد مسعود، "ابو اسحاق الشاطبی"، فکر و نظر، جلد ۲۸۔۲۹ (۱۹۹۱) اسلامی اندلس کی میراث پر خصوصی شمارہ صفحات ۵۴۱ ۔ ۵۵۲)

امام شاطبی کی تصنیفات درج ذیل ہیں ۔

۱۔ الموافقات

۲۔ شرح علی الخلاصة فی النحو (مخطوطہ)

۳۔ عنوان الاتفاق فی علم الاشتقاق

۴۔ کتاب اصول النحو

۵۔ الافادات والانشادات (مطبوعہ بیروت ۱۹۸۳)

۶۔ کتاب الاعتصام (مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۱۳)

۷۔ فتاوی الامام الشاطبی (مطبوعہ تونس، ۱۹۸۷)

الموافقات کے مقدمے میں شاطبی نے لکھا ہے کہ کتاب کا اصل نام "عنوان التعریف باسرار التکلیف" رکھا گیا تھا کیونکہ اس میں فلسفہ تکلیف شرعی سے بحث کی گئی تھی لیکن اس دوران میں ایک خواب میں امام شاطبی کو اس کتاب کا نام الموافقات رکھنے کا اشارہ کیا گیا کیونکہ اس میں ابن القاسم (امام مالک کے شاگرد) اور امام ابو حنیفہ کے اصول فقہ کا امتزاج موجود ہے۔

امام احمد بابا تنبکتی صاحب نیل الابتہاج نے الموافقات کو اصول فقہ میں انبل الکتب کہا ہے۔ شاطبی کے شاگردوں نے اس کی منظوم اور نثری مختصرات لکھیں۔ بیسویں صدی میں جب عصری مسائل کے لئے اصول فقہ کی نئی تعبیر کی ضرورت پیش آئی تو الموافقات کو بے حد اہمیت حاصل ہوئی۔ الموافقات میں جزئی اور قیاسی استدلال کی بجائے مقاصد شریعت کی بنیاد پر اجتہاد پر زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مصالح عباد شریعت کا اصل الاصول ہیں۔

چنانچہ مصر میں مفتی محمد عبدہ، محمد خضری بیک، علامہ رشید رضا، شمالی افریقہ میں عبدالحمید بن بادیس، شیخ فاضل عاشور اور برصغیر میں علامہ محمد اقبال نے الموافقات کی اہمیت کو اجاگر کیا، علماء ازہر میں سے شیخ عبداللہ دراز، شیخ محمد الخضر حسین نے الموافقات کی شرح اور حواشی لکھے۔ بیسویں صدی میں فقہ اور اصول فقہ کی کوئی کتاب ایسی ہو گی جس نے الموافقات سے استفادہ نہ کیا ہو۔ رشید رضا اور عبدالمتعال صعیدی نے امام شاطبی کو آٹھویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا۔

الموافقات پہلی مرتبہ ۱۸۸۴ء میں تونس سے سرکاری پریس سے شائع ہوئی جس کی تصحیح و تدوین تونس کے تین علماء صالح القائجی، علی الشنوفی اور احمد الورتانی نے کی تھی۔ اگرچہ الموافقات شائع ہو چکی تھی ۰۰۰ لیکن علامہ موسی جار اللہ نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے دوبارہ چھاپنے کا فیصلہ کیا۔ علامہ کی نظر میں الموافقات کا پہلا ایڈیشن اغلاط سے پر تھا اس لئے اس کے صحیح ایڈیشن کی ضرورت تھی۔ الموافقات کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۲۳ء میں مطبعہ سلفیہ، قاہرہ سے شائع ہوا۔ اس پر شیخ محمد الخضر حسین، شیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الجامعہ الازہر نے حواشی لکھے۔ چوتھا ایڈیشن مطبعہ مصطفیٰ محمد سے شیخ عبداللہ دراز کے حواشی کے ساتھ چھپا۔ ۱۹۶۹ء میں مطبعہ محمد علی، قاہرہ نے محمد محی الدین عبدالحمید کی تحقیق کے ساتھ اسے شائع کیا۔ اس کے بعد الموافقات کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے لیکن زیادہ تر شیخ عبداللہ دراز کی عکسی اشاعت ہے۔

الموافقات کا ترکی زبان میں ترجمہ زیر تکمیل ہے۔ اس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں (تفصیلات کے لئے دیکھئے محمد خالد مسعود: فلسفہ قانون اسلامی (انگریزی)، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۷ء، نیز "شاطبی کا فلسفہ قانون اسلامی" (زیر طبع)۔

۳۔ اشاعت : معلوم ہوا ہے کہ الموافقات کا اردو ترجمہ لاہور سے دیال سنگھ ٹرسٹ کا ادارہ شائع کر رہا ہے۔ علامہ نے قازان میں " امانت" کے نام سے مطبع قائم کیا تھا۔ جہاں سے مکتبہ دارالصباح کے نام سے کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کتابوں میں قرآن و حدیث، تفسیر واصول کے متون کے ساتھ عصری مسائل پر کتابیں بھی شائع کیں۔ انہی کتابوں میں الموطا اور الموافقات بھی تھیں۔ علامہ نے الموافقات ۱۹۰۹ء میں شائع کی جس پر ترکی زبان میں مقدمہ لکھا جس کا ترجمہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ اس مقدمے کا ذکر بروکلمان، گولڈ زیہر اور دیگر مستشرقین نے کیا ہے لیکن ایک عرصے سے نایاب تھا۔ حال ہی میں ڈاکٹر محمد اردوغان نے الموافقات کا ترکی زبان میں ترجمہ " الموافقات اسلامی علمی لرمیتودولوجیسی " کے نام سے شائع کیا ہے (استانبول : ایزیاین جلک، ۱۹۹۰ء) تو علامہ کا یہ مقدمہ جلد اول کے ابتدائی صفحات میں شامل اشاعت کر دیا ہے۔

۴۔ عبدالحمید براقلشق : جامعہ مرمرہ، استانبول میں پی ایچ ڈی کے طالب علم ہیں اور "پاکستان میں تفاسیر قرآن" کے موضوع پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔ عبدالحمید ترکی کے شہر غازی عینتاب میں ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ غازی عینتاب کا شہر صحیح بخاری کی معروف شرح عمدۃ القاری کے مصنف علامہ عینی کی نسبت سے مشہور ہے۔ عبدالحمید صاحب نے جامعہ مرمرہ کے کلیہ علوم اسلامیہ میں تعلیم پائی۔ اسی جامعہ سے ۱۹۹۰ میں علم تفسیر میں ایم اے کیا۔

اس دوران یہ تین سال تک عثمانی دستاویزات کے محکمے اور ترکی کے وقف الدیانتہ الترکیہ کے اسلامی تحقیقات کے ادارے سے وابستہ رہے ہیں۔ اردو زبان کی تعلیم انہوں نے اسلام آباد کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز سے حاصل کی ہے۔

۵۔ طبری : ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) خود ایک فقہی مذہب کے بانی تھے۔ تاریخ، فقہ اور تفسیر اور دیگر علوم اسلامی پر ان کی بیش قدر تصانیف ہیں۔ ان میں تاریخ پر تاریخ الامم والملوک اور تفسیر میں جامع البیان فی تاویل القرآن نے شہرت اور قبول عام حاصل کیا۔ تاریخ کی طرح تفسیر میں بھی ان کا اسلوب یہ ہے کہ ایک آیت کی تفسیر میں جتنے اقوال ملتے تھے سب کو جمع کر دیتے ہیں اور ان میں اکثر بظاہر ضعیف اور غیر ثقہ اقوال بھی ہوتے ہیں اور اہل کتاب سے منقول روایات بھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علماء کے اعتراضات کا ہدف رہے۔

۶۔ کشاف : ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری (م ۵۳۸ھ) لغت، نحو، بیان اور تفسیر میں اپنے زمانے کے سرکردہ علماء میں تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل کے نام سے لکھی جس میں زیادہ تر نحوی مسائل، پر توجہ دی۔ اس تفسیر کو زمخشری کے معتزلی عقائد کی بنا پر تائید عام حاصل نہ ہو سکی تاہم ان عقائد سے قطع نظر عربی بلاغت اور لغت کے لحاظ سے اس تفسیر کو بہت شہرت ملی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ بیضاوی: ابوالخیر ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی (م ۶۸۵ھ) مشہور فقیہ اور قاضی ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل کے نام سے لکھی جو تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہوئی اور نصابی کتاب کے طور پر اسے قبول عام حاصل ہوا کیونکہ یہ بہت مختصر تھی۔ تفسیر کرتے وقت بیضاوی کی زیادہ توجہ فقہی مسائل خصوصاً فقہی اختلافات کی طرف رہی ہے۔

۸۔ رازی: فخرالدین محمد بن عمر الرازی (م ۶۰۶ھ) دینی اور عقلی علوم میں تبحر کی وجہ سے اپنے زمانے میں شیخ الاسلام کے لقب سے معروف تھے۔ اگرچہ تقریباً تمام علوم میں ان کی تصانیف موجود ہیں لیکن ان کا اہم کام فلسفہ اور علم الکلام پر ہے۔ امام غزالی نے فلسفے کا رد پیش کر کے مسلمانوں کو عقلی علوم کی بجائے وجدانی اور روحانی علوم کی طرف متوجہ کیا تھا۔ امام رازی نے فلسفے کو دوبارہ اسلامی ڈھانچے میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اور اس طرح ایک نیا علم الکلام پیش کیا جس کی بنیادیں فلسفہ اور منطق پر استوار کی گئی تھیں۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر مفاتیح الغیب کے نام سے اسی اسلوب میں لکھی جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہوئی۔ تاہم ناقدین کا کہنا ہے کہ رازی فلسفے اور کلام کی بحثوں میں اتنا الجھ گئے کہ تفسیر کے اصل موضوع سے دور چلے گئے۔

۹۔ القرآن، سورہ الانعام: ۳۸۔ "زمین پر چلنے والا کوئی جانور، اور (ہوا میں) اپنے پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری طرح امت نہ ہو۔ ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو نظرانداز نہیں کیا۔ یہ سب آخر کار اللہ تعالیٰ کی جانب اکٹھے کئے جائیں گے"۔

۱۰۔ اصول فقہ کی کتب میں اجماع پر اصول، ادلہ، ماخذ اور مصادر کے حوالے سے بات کی جاتی ہے جبکہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ کسی مسئلے پر علماء و فقہاء کے اتفاق رائے کو اجماع کہتے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت نہیں ہوتی کہ اجماع اتفاق رائے کے طریق کار کو کہتے ہیں یا اس رائے کو جس پر اتفاق ہوا ہے۔ یہی صورت حال قیاس کے بارے میں ہے۔ قیاس بھی استدلال کا ایک طریقہ ہے۔ چنانچہ اجماع اور قیاس دونوں کے بارے میں یہ ابہام رہتا ہے کہ یہ ماخذ اور مصدر کیسے ہیں، اجماع کے بارے میں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن آراء پر اتفاق رائے ہو جاتا ہے انہیں بھی اجماع قرار دے دیا گیا۔ اجماع کے طریق کار کے حوالے سے اصول فقہ میں بتایا گیا ہے کہ جب علماء کسی رائے کے بارے میں واضح طور پر اتفاق کا اظہار کریں تو وہ اجماع قولی کہلاتا ہے اور جب کسی رائے کی مخالفت نہ کر کے اس کی توثیق کریں تو اسے اجماع سکوتی کہتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں "انقراض عصر" کی قید ہے تاکہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکے کہ اپنی زندگی میں ان علماء میں سے کسی نے اس رائے کی مخالفت نہیں کی۔ ان مباحث سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ اجماع کی حیثیت ماخذ سے زیادہ ایک طریق کار کی ہے۔

علامہ اقبال نے اجماع کو اجتماعی اجتہاد کا طریق کار بیان کرتے ہوئے دور جدید کی قانون سازی کو اجماع کی شکل قرار دیا تھا (تفصیلات کے لئے دیکھئے علامہ اقبال: اسلام میں دینی فکر کی تشکیل نو میں چھٹا خطبہ۔ نیز ملاحظہ ہو: محمد خالد مسعود، علامہ اقبال کا تصور اجتہاد۔ راولپنڈی، حرمت، ۱۹۸۵ء)

۱۱۔ العلة المتعدية: ایسی علت یا وجہ جو صرف ایک عبارت یا حکم میں موجود ہی نہ ہو بلکہ اس کا اثر دوسری عبارت یا حکم پر بھی پایا جائے۔

علامہ موسیٰ جار اللہ یہاں مسالک علت کے پیچیدہ مسائل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو قیاسی استدلال کے عمل کا بہت اہم حصہ ہیں۔ اگرچہ علمائے اصول نے علت کے تصور پر تفصیلی بحث کی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کی تعریف اور تحدید کی طرف بہت توجہ دی تاکہ قیاس کے استدلال میں ظن اور رائے کے احتمال کو ختم کیا جا سکے لیکن اس سے فقہی اختلاف کا دائرہ تو وسیع ہوتا گیا لیکن یکسانیت، تیقن اور وحدت جو کسی قانون کی لازمی ضروریات ہیں وہ پوری نہ ہو پائیں۔ شاطبی نے اس کی بجائے مقاصد شریعت سے استدلال کا جو طریقہ پیش کیا وہ زیادہ وسیع اور جامع تھا کیونکہ یہ جزئیات کی بجائے کلیات سے استدلال پر مبنی ہے۔

۱۲۔ علامہ کے اس بیان کی تصدیق کے لئے مندرجہ ذیل حواشی (۱۳ - ۲۲) میں تفصیلات ملاحظہ ہوں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے بعد اصول فقہ پر نئی کتابیں لکھنے کی بجائے مصنفین نے اکثر متقدمین کی تصنیفات کو ہی مکرر پیش کیا ہے، کبھی تلخیص، جمع اور اختصار کی صورت میں کبھی شرح اور حاشیے کی صورت میں۔

۱۳۔ التوضیح : صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود البخاری (م ۷۴۷ھ) نے شافعی اور حنفی اصول فقہ پر، بزدوی (دیکھئے حاشیہ ۱۴)، رازی (دیکھئے حاشیہ ۱۸) اور ابن حاجب (دیکھئے حاشیہ ۲۰) کی کتابوں کی تلخیص کر کے تنقیح الاصول کے نام سے کتاب لکھی جس میں ان دونوں مذاہب کے اصول کو جمع کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کتاب اتنی مختصر ہو گئی کہ خود ہی اس کی شرح التوضیح کے نام سے لکھی۔ پھر سعد الدین التفتازانی (م ۷۹۲ھ) نے اس پر التلویح کے نام سے حاشیہ لکھا۔

۱۴۔ اصول بزدوی : علی بن محمد البزدوی (م ۴۸۲ھ) کی تصنیف کنز الوصول الی معرفۃ الاصول جو اصول بزدوی کے نام سے مشہور ہے۔ عموماً اصول سے زیادہ اس کی شرح کشف الاسرار متداول ہے جو عبدالعزیز احمد البخاری (م ۷۳۰ھ) کی لکھی ہوئی ہے۔

۱۵۔ فصول بدائع : شمس الدین محمد بن حمزہ الفناری (م ۸۳۴ھ) کی کتاب فصول البدائع لاصول الشرائع میں در اصل المنار (دیکھئے حاشیہ ۲۳)، اصول البزدوی (حاشیہ ۱۴)، محصول (حاشیہ ۱۸) اور مختصر ابن الحاجب (حاشیہ ۲۰) کو جمع کیا گیا ہے۔ ان کے بیٹے محمد شاہ نے اس پر تلخیص الفصول کے نام سے حاشیہ لکھا۔ شیخ یوسف بن ابراہیم المغربی نے اس کا خلاصہ کشف الشوادد والموانع کے نام سے لکھا۔

۱۶۔ تحریر : کمال الدین محمد ابن الہمام (م ۸۶۱ھ) کی التحریر فی علم الاصول الجامع بین اصطلاحی الحنفیہ والشافعیہ، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے شافعی اور حنفی اصول میں جمع کی کوشش تھی۔ اس پر ابن امیر الحاج (م ۸۷۹ھ) نے التقریر والتحبیر کے نام سے شرح لکھی۔

۱۷۔ جمع الجوامع : تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی (م ۷۷۱ھ) کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے شافعی اور حنفی اصول فقہ کو جمع کیا ہے اور ایک سو سے زیادہ کتابوں کے مباحث کی تلخیص کی ہے۔ اس کے اختصار کی وجہ سے اس کی مزید شرحیں لکھی گئیں جن میں جلال الدین المحلی (م ۸۶۴ھ) بدر الدین زرکشی (م ۷۹۴ھ) کی شروح معروف ہیں۔

۱۸۔ محصول : فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) نے المحصول میں دراصل اصول کی ان تمام کتابوں کے مباحث کو جمع کر دیا تھا جو اس سے پہلے لکھی جا چکی تھیں۔ ان میں قاضی عبدالجبار (م ۴۱۵ھ) کی العمد، ابوالحسن البصری (م ۴۳۶ھ) کی المعتمد، امام الحرمین الجوینی (م ۴۷۸ھ) کی البرہان اور امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی المستصفی من علم الاصول شامل ہیں۔ محصول بہت مقبول ہوئی۔ شہاب الدین القرافی (م ۶۸۴ھ) نے اس کی شرح تنقیح الفصول کے نام سے لکھی۔ تاج الدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الارموی (م ۶۵۶ھ) نے الحاصل کے نام سے اور سراج الدین محمود الارموی نے التحصیل کے نام سے محصول کی تلخیص لکھی۔ بیضاوی نے الحاصل کا بھی خلاصہ منہاج کے نام سے لکھا پھر بیضاوی کی تلخیص کی شرحیں لکھی گئیں جن کا ذکر آگے حاشیے میں ہے۔

۱۹۔ منہاج الوصول: قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی (م ۶۸۵ھ) کی کتاب منہاج الوصول الی علم الاصول دراصل تاج الدین ارموی کی الحاصل کی تلخیص ہے۔ یہ کتاب اتنی مختصر تھی کہ اس کا سمجھنا مشکل تھا اس لئے اس کی شرحیں لکھنے کی ضرورت پیش آئی جن میں جمال الدین اسنوی (م ۷۷۲ھ) کی نہایۃ السول فی شرح منہاج الوصول اور تقی الدین سبکی (م ۷۵۶ھ) کی الابھاج بشرح المنہاج مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ محمد بن الحسن البدخشی اور شمس الدین الاصفہانی نے بھی شرحیں لکھیں۔

۲۰۔ المنتہیٰ: عثمان بن عمرو ابن الحاجب (م ۶۴۶ھ) کی منتہی السول والامل فی علمی الاصول و الجدل جو المنتہی کے نام سے معروف ہوئی دراصل شافعی فقیہ سیف الدین علی بن علی الامدی (م ۶۳۱ھ) کی تصنیف احکام الحکام فی اصول الاحکام کا خلاصہ ہے۔ خود آمدی کی کتاب رازی کی محصول کی طرح العمد، المعتمد، البرھان اور المستصفی کی تلخیص ہے۔

ابن حاجب نے اس کا خلاصہ المختصر کے نام سے لکھا جو بہت مقبول ہوا۔ لیکن بیضاوی کی منہاج کی طرح یہ اتنا مختصر تھا کہ اس کی شرحوں کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ عضدالدین الایجی (م ۷۵۶ھ)، سعد الدین التفتازانی (م ۷۹۲ھ)، اور تاج الدین السبکی (م ۷۷۱ھ) نے اس کی شرحیں لکھیں۔

۲۱۔ تنقیح: دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۲

۲۲۔ مسلم الثبوت: محب اللہ ابن عبدالشکور (م ۱۱۱۹ھ) کی اصول فقہ پر کتاب ہے جو نہایت مشکل اور ادق کتاب شمار ہوتی ہے۔ مصنف نے خود ہی اس کی شرح فواتح الرحموت کے نام سے لکھی۔

۲۳۔ المنار: ابوالبرکات عبداللہ حافظ الدین النسفی (م ۷۱۰ھ) کی کتاب منار الانوار درسی کتاب کے طور پر بہت مقبول ہوئی۔ اس پر عبداللطیف بن عبدالعزیز بن فرشتہ نے کشف الاسرار، محمد بن علی الحصکفی نے افادات الانوار اور ملاجیون نے نور الانوار کے نام سے شرحیں لکھیں۔ برصغیر میں موخر الذکر زیادہ متداول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com